مرثیہ: انیس و دبیر کے بعد

ڈاکٹر سیّدہ مصباح رضوی، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Marsya is one of the most prominant genre of urdu poetry. Anees and Dabeer are two mile-stones of urdu Marsya. In this article it is discussed urdu Marsya although absorbed the impacts of above mentioned great poets but researched some new ways of expression also.

انیس و دبیر کے عہد میں اور ان کے بعد بھی مرثیہ گوئی کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ ان دونوں باکمالوں کے خاندان کے بیشتر افراد اور تلامذہ مرثیہ گوئی کر رہے تھے۔ ان شعرا کا کلام تعداد اور معیار دونوں اعتبار سے سراہے جانے کے قابل ہے۔ مگر ان سب کی بالعموم یہ بدقسمتی رہی کہ وہ میر انیس اور مرزا دبیر کے بعد شاعری کر رہے تھے۔ مرثیہ گوئی میں کیسی ہی شاندار کارگردگی کیوں نہ دکھاتے، ان دونوں سے بلند ہونا ممکن نہ تھا۔ اس دور کے شعرا کو ناقدین نے یہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا کہ ان شعرا نے ''چبائے ہوئے لقموں کو دوبارہ چبایا ہے''۔ عام نظر میں شاید یہ تاثر درست سمجھا جائے مگر عمیق مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے اس دور کا کردار میر انیس کے دور اور جدید دور کے شعرا کے درمیان ایک پل کا کام کرتا ہے، اس درمیانی کڑی نے غیر محسوس طور پر تبدیلیوں کو اپنے مرثیوں کا حصہ بنایا۔ مرثیوں میں انفرادیت لانے کی غرض سے کچھ تجربات بھی کیے جو نئے دور کے مرثیوں کے لیے سنگِ میل ثابت ہوئے۔

اس دور میں سیاسی حالات تیزی سے کروٹیں لے رہے تھے، غیر ملکی حکومت کا اقتدار بڑھ رہا تھا۔ بدامنی، قتل و خوں ریزی اور حکمرانوں کے آپس کے جھگڑوں اور سازشوں نے عجیب کشمکش پیدا کر دی تھی، جس کی وجہ سے عام آدمی کا اعتماد اور اعتبار شکستگی سے دوچار تھا۔ شعرا بھی ان حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ سید طاہر حسین کاظمی نے شعرا کے بدلتے رجحانات کو مدِنظر رکھ کر اس دور کے شعرا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''تصوف کا سہارا لے کر اپنے کو محض قرار دینے پر زور تھا۔ یعنی وحدت الوجود، قضا و قدر، رضا بالقضا، قناعت وکشف وجدان جیسے صفات نے عوام کے ذہن کو بسا اوقات منفی سمتوں پر ڈال دیا آزاد خیالی، رندمشربی، قلندری اور فقیری عشق مجازی سے عشق حقیقی تک رسائی کی راہیں ہموار کر رہی تھی ان نظریات سے غزل میں رمز و ایما اور عشق و عاشقی کے رجحان کو فروغ ملا، معاملہ بندی اور خارجی لوازم پر زیادہ زور دیا جانے لگا۔ مضمون آفرینی خیال بندی، صنعت گری، نئی نئی تشبیہیں اور استعاروں کا استعمال ہوا۔''[۱]

مرثیہ نگار بھی سیاسی و ادبی فضا سے متاثر ہوئے۔ان کے مرثیوں میں کہیں تو روایات کی پاسداری نظر آئی اور کہیں اس سے انحراف کیا گیا۔ بہت سے شعرا مرثیے کو نئے اثرات کی زد سے بچانے کے لیے سختی سے قدما کے اصولوں کی پیروی کرنے لگے، کچھ شاعر قدیم اصولوں کی حرمت کو نبھاتے ہوئے زبان و بیان اور موضوعات کی حد تک تبدیلیوں کا شکار بھی ہونے لگے،اس ملے جلے رجحان نے اس دور کو انیس و دبیر کے دور سے ممیّز کر دیا۔ طاہر حسین کاظمی اس دور کی نمایاں تبدیلیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''مرثیہ بھی اپنے دور کے حالات اور تقاضوں سے دامن نہ بچا سکا اور غزل کی مختلف علامتیں مثلاً شمع، پروانہ، سرو،صنوبر، قمری، بلبل، وصل، ہجر، معشوق کی دلنوازیاں، ناز وادا،عشوہ،غمزہ، کے مضامین مرثیے میں داخل ہوئے۔ گھوڑے اور تلوار کی تعریف میں معشوق مجازی کی اداؤں اور گھاتوں کی منظرکشی مرثیوں میں کی جانے لگی لیکن مرثیہ گو شعرا نے ان جزئیات کے استعمال میں مرثیہ کے وقار اور تقدس کا پورا پورا خیال رکھا۔ نوابان اودھ کی باغوں میں دلچسپی، مرثیہ میں بہاریہ مضامین کی مقبولیت کا سبب بنی۔ ساقی نامہ کا مرثیہ گوئی میں رواج ہوا اور یہ موضوعات اس دور کے سامعین کے مزاج اور تفنن طبع کی خاطر مرثیے میں مستقل فروغ پانے لگے اس طرح عام سامعین کی دلچسپی کا سامان مراثی میں فراہم ہوا۔''[۲]

یہ تمام خصوصیات اس بات کا ثبوت ہے کہ اس دور میں مرثیہ نگار جمود کا شکار نہ تھے اور نہ ہی فقط انیس و دبیر کی تقلید میں مصروف تھے بلکہ ماحول اور روایت کی ممکنہ حدود میں رہتے ہوئے انھوں نے مرثیے کے ارتقائی سفر کو آگے بڑھایا مگر مجموعی طور پر اس دور کے بارے میں یہی رائے رہی کہ اس دور کے مرثیہ نگار بدلتے سیاسی حالات اور انیس و دبیر کے اثرات کی وجہ سے کوئی خاص کارنامہ سرانجام نہ دے سکے۔ شجاعت علی سندیلوی نے لکھا کہ میر انیس اور مرزا دبیر کے عروج اور کمال کے بعد مرثیہ گوئی کا چاند گہن میں آ گیا۔ اس کی ایک وجہ سیاسی انقلاب تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''جب انقلاب ہندوستان نے تخت و تاج کے مالکوں کو اسیر قید فرنگ کر دیا۔ امرا و شرفا اور والیان سلطنت خود دربدر کی خاک چھاننے لگے۔ صاحب عز و جاہ و مال، دانے دانے کو محتاج ہو گئے۔ تو قدردان شعر و سخن کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ مرثیہ گوئی انھیں کے دم سے وابستہ تھی، اس لیے اس پر بھی زوال آ گیا اور لکھنو میں مرثیہ نگار کی حد بے روح کی طرح ہو کے رہ گئے۔ کوئی ان کو پوچھنے والا نہ رہا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس پریشان حالی میں جتنے بھی مرثیہ نگار باقی رہے اور انھوں نے مرثیہ گوئی کو بہر حال قائم رکھا۔''[۳]

سید طاہر حسین کاظمی نے ''اردو مرثیہ بعد انیس'' کے موضوع پر مرثیہ گویوں کی ایک مختصر تاریخ لکھی، انھوں نے یقیناً انیس و دبیر کے بعد شعرا کے کلام کی خصوصیات کا مطالعہ زیادہ گہرائی سے کیا ہوگا، اس دور کے شعرا کے بارے میں ان کی رائے ملاحظہ کیجیے۔ انھوں نے لکھا کہ:

''مختلف ناقدین و محققین کی آرا کے پیش نظر انیس و دبیر کے بعد دور اول کی مرثیہ نگاری میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں ہوئی تاہم ان شعرا کی کوششوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ ان میں بعض شعرا نے تو اس فن کی بازیابی کے لیے اپنی پوری زندگی وقف رکھی ہے۔'' ۴

سید ضمیر اختر نقوی نے اس دور کے مرثیوں کے مطالعے کے بعد اس دور کی اہمیت کو تسلیم کیا، وہ لکھتے ہیں کہ:

''لکھنو میں مرثیہ نگاری کا چوتھا دور نہایت اہم ہے............اس عہد میں مرثیہ گوئی میں نہایت اہم اضافے شروع ہوئے اور تقریباً سو مرثیہ نگار تاریخ مرثیہ نگاری میں نئی راہوں کی تلاش میں نظر آئے ہیں۔'' ۵

اس دور کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس دور کی اختصاصی صفات کو تلاش کر کے تاکہ مرثیے کے ارتقا کی تمام کڑیاں مربوط کی جا سکتی ہیں۔

دبستان انیس میں مرثیہ گوئی کا وہی رنگ ڈھنگ تھا جو کہ میر انیس کے کلام میں تھا مگر اس کے باوجود نامعلوم انداز سے مرثیہ گویوں نے تبدیلی کا آغاز کر دیا تھا۔ مثال کے طور پر دبستان انیس سے مرثیہ میں باقاعدہ طور پر ''ساقی نامہ'' کے آغاز کا سراغ ملتا ہے۔ عبدالروف عروج میر نفیس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان کے کلام میں میر انیس کا رنگ جھلکتا ہے۔ مرثیہ میں انھوں نے ساقی نامہ کا اضافہ کیا ہے۔'' ۶

میر نفیس مرثیہ گوئی میں انیس و دبیر کے مقابلے میں کوئی انفرادی رنگ تو نہ جما سکے لیکن ''ساقی نامہ'' کی ابتدا کرنے کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو انہوں نے مرثیے کو ایک نیا رنگ اور انداز بخشا۔ محمود فاروقی نفیس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میر نفیس کے یہاں انفرادیت مفقود ہے، اپج کا بھی اظہار نہیں ہوتا، گو انھوں نے مرثیہ میں ساقی نامہ کا اضافہ کیا لیکن اس سے نہ تو مرثیہ کی معنوی حیثیت سے ترقی ہوئی نہ مرثیہ کی روح میں تازگی پیدا ہوئی۔ ان کے مرثیے ان کے پیش رووں کے چربے معلوم ہوتے ہیں............اس صورت میں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر مرثیہ آگے نہیں بڑھا تو اس کا مرتبہ گرا بھی نہیں۔'' ۷

محمود فاروقی کے خیال میں ساقی نامہ سے مرثیہ میں کوئی تازگی پیدا نہ ہوئی مگر اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بہر حال یہ روش نئی تھی کہ جس کو بعد میں آنے والے کئی مرثیہ نگاروں نے اختیار کیا۔ میر انیس کی طرح مرزا دبیر کے دبستان کو بھی ان کے خاندان کے شعرا کے علاوہ تلامذہ کی ایک بہت بڑی تعداد نے قائم کیا اور اس بات کا بطور خاص اہتمام کیا کہ مرزا دبیر کے قائم کردہ معیارات کو فروغ ملے۔

مرزا دبیر کے شاگردوں کی تربیت میں ان کے بیٹے مرزا اوج نواسے تھے۔ والد کی تربیت نے ان کی زندگی اور شاعری دونوں پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ان کی طرز خواندگی بھی ہو بہو مرزا دبیر جیسا تھا۔ مرزا دبیر کی وفات کے بعد جلد ہی انہوں نے بحیثیت مرثیہ نگار انہوں نے خود کو منوا لیا۔ ان کی شاعری میں روایت پرستی مرثیت کا

عنصر نمایاں ہے۔

حلف و دبیر ہونے کا باوجود انہوں نے مرثیہ نگاری میں انفرادیت کو قائم کیا اور اس زمانے کے مرثیہ نگار مرثیے میں جن نئی تبدیلیوں کو لا رہے تھے ان کے خلا مرزا اوج نے مرثیے میں دو طرح سے انفرادیت قائم کی۔ پہلی تو یہ کہ ان کے زمانے میں مرثیے میں تغزل ساقی نامہ اور نہار نامہ فروغ مل رہا تھا، مرزا اوج نے اس کو ناپسندیدہ روش قرار دیا اور خود بھی اس سے انکار کیا اور اپنے شاگردوں کو بھی اس سے روکا۔ دوسری انفرادیت یہ تھی کہ انہوں نے اپنے مرثیے میں عہد حاضر کے سائل کی نشاندہی کی، قومی اصلاح اور تعمیری مضامین کو جگہ دی اور مرثیے میں فکر و فلسفہ کو شامل کیا۔ طاہر حسین فاروقی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''اوج نے مرثیہ کو سماجی تنقید سے بھی روشناس کیا۔ اپنے زمانے کے مسائل اور اخلاقی پہلوؤں کو مرثیوں میں جگہ دی۔ اس لحاظ سے ان کا پیغام کسی مخصوص طبقے یا عقیدے کے لئے نہیں بلکہ عام انسانیت کے لئے ہے۔ دنیا کی بے ثباتی، مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب، طلبا اور نوجوانوں میں احساس فرض شناسی اور تہذیب و ہنر کو اپنے مرثیوں میں جگہ دی جس کے بیان میں واقعہ کربلا کے کرداروں کی تقدیس کا لحاظ رکھا اور اپنے خیالات یا موضوعات کو اس حد تک حاوی نہیں ہونے دیا کہ مرثیہ کی اصل روح مجروح ہو۔''[۸]

یہی روش دبستان دبیر کے نامور مرثیہ نگاروں میں قائم ہو گی۔ دبستان عشق کی انفرادیت مذکورہ بالا دونوں دبستانوں سے جدا ہے۔ اس دبستان میں حسین مرزا عشق سید مرزا تعشق، پیارے صاحب رشید اور ان کے تلامذہ شامل ہیں۔ دبستان عشق کا تعلق خاندان انیس سے ہی تھا۔ مرثیہ گوئی میں ان کی انفرادیت پسندی نے ایک نئی طرز کی بنیاد فراہم کی۔ میر عشق کی مقبولیت کی راہ میں وہی مشکل حائل تھی جو کہ انیس و دبیر کے دور کے باقی مرثیہ گویوں کو درپیش تھی۔ یعنی میر انیس اور میرزا دبیر کی شہرت کے ڈنکے جب چاروں طرف بج رہے ہوں تو اس میں کسی دوسرے مرثیہ نگار کی تعریف کی آواز اور گونج کیسے سنائی دے سکتی ہے۔ مگر میر عشق نے اس دور میں اپنے آپ کو متعارف کروانے کا نیا ڈھنگ اختیار کیا۔ ڈاکٹر جعفر رضا اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''بہ حیثیت مرثیہ گو عشق کی مقبولیت کا راز یہی ہے کہ انھوں نے اپنے کو ''انیسیوں اور دبیریوں'' کی ٹولی میں مدغم ہونے سے بچا لیا اور کچھ نئے قوانین تیار کر کے مرثیہ گوئی میں اپنا مقام پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان کے یہ قوانین زبان و بیان کی صحت اور اظہار و ابلاغ کی کامیابی سے متعلق ہیں۔''[۹]

میر عشق کی ان کوششوں کا بقول مسعود حسن رضوی یہ نتیجہ نکلا کہ:

> ''جہاں ان دونوں استادوں (میر انیس اور مرزا دبیر) کے ماننے والی دو بڑی جماعتیں تھیں وہاں ایک چھوٹی جماعت ان کے طرفداروں کی بھی پیدا ہوگئی۔''[۱۰]

میر انیس اور مرزا دبیر کے بعد آنے والے دیگر مرثیہ نگاروں کی طرح پیارے صاحب رشید بھی اس مشکل میں گرفتار تھے کہ وہ ان نامور مرثیہ نگاروں کے بعد اپنی انفرادی شناخت کیونکر پیدا کر سکتے ہیں۔مرثیہ کے تمام ممکنہ مضامین کو تو یہ حضرات بلندی اور ترقی کی آخری منزل تک لے جا چکے تھے۔لہٰذا ان سے بڑھ کر مضامین مرثیہ کو ترقی دینا ممکن نہ تھا۔مرثیہ نگاری کی صلاحتیں ہونے کے باوجود مرثیہ نگار خود کو محض مقلدین کی صف میں کھڑا دیکھنے کے خواہش مند نہ تھے۔ایسے میں ان کے پاس یہی راستہ بچتا تھا کہ زمانے اور مزاج کے مطابق مرثیہ نگاری میں کوئی جدت پیدا کی جائے۔اس جدت اور ندرت خیال کو متعارف کروانے کے شوق نے مرثیہ نگاری کی مروجہ روایت میں دراڑیں پیدا کرنا شروع کر دیں۔مرثیہ نگاری اس طرح سے مرثیت کے قریب نہ رہی جیسے کہ ان سے پیشتر مرثیہ نگاروں کے ہاں نظر آتی ہے،تغزل اور صنعتوں کے استعمال کو فروغ ملا اور مضامین مرثیہ میں نئے مضامین کا اضافہ ہوا۔اس مختصر سے جائزے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس دور کے تین اہم دبستانوں نے مرثیے کے ارتقاء میں نمایاں کردار ادا کیا۔یہ دور جدید مرثیے کے لیے تعمیری مواد اور بنیاد فراہم کرتا ہے۔

حواشی:

۱۔ طاہر حسین کاظمی، ڈاکٹر، سید، معاصرین مرزا دبیر تقابلی مطالعہ، (دہلی: ایرانین آرٹ پرنٹرس، ۱۹۹۹ء)، ص ۶۲۵

۲۔ طاہر حسین کاظمی، معاصرین مرزا دبیر، ص ۲۶۵

۳۔ شجاعت علی سندیلوی، تعارفِ مرثیہ (بار اوّل) (الہ آباد: ادارہ انیس اردو، ۱۹۵۹ء)، ص ۷۰، ۷۱

۴۔ طاہر حسین کاظمی، ڈاکٹر، سید، اردو مرثیہ میر انیس کے بعد، (دہلی: ایرانین آرٹ پرنٹر، ۱۹۹۷ء)، ص ۲

۵۔ ضمیر اختر نقوی، اردو مرثیہ پاکستان میں، (کراچی، سید اینڈ سید، ۱۹۸۲ء)، ص ۹۳

۶۔ شجاعت علی سندیلوی، تعارف مرثیہ، ص ۷۲

۷۔ محمود حسن فاروقی، میر حسن اور اُن کے خاندان کے دوسرے شعرا، (راولپنڈی: پنجاب اینڈ فرنیٹر بکڈ پو، س ن)، ص ۳۳۵، ۳۳۶

۸۔ طاہر حسین کاظمی، ڈاکٹر، سید، اردو مرثیہ میر انیس کے بعد، ص ۳۲

۹۔ جعفر رضا، ڈاکٹر، دبستان عشق کی مرثیہ گوئی (بارِ اوّل) (الہ آباد: نیشنل کتاب گھر، ۱۹۷۳ء)، ص ۱۴۴

۱۰۔ مسعود حسن رضوی، بحوالہ جعفر رضا، ڈاکٹر، دبستان عشق کی مرثیہ گوئی (بارِ اوّل) (الہ آباد: نیشنل کتاب گھر، ۱۹۷۳ء)، ص ۱۴۳

مآخذ:

۱۔ جعفر رضا، ڈاکٹر، دبستان عشق کی مرثیہ گوئی (بارِاوّل) الہ آباد: نیشنل کتاب گھر، ۱۹۷۳ء۔

۲۔ شجاعت علی سندیلوی، تعارفِ مرثیہ (بار اوّل) الہ آباد: ادارہ انیس اردو، ۱۹۵۹ء۔

۳۔ ضمیر اختر نقوی، اردو مرثیہ پاکستان میں، کراچی، سید اینڈ سید، ۱۹۸۲ء۔

۴۔ طاہر حسین کاظمی، ڈاکٹر، سید، اردو مرثیہ میر انیس کے بعد، دہلی: ایرانین آرٹ پرنٹر، ۱۹۹۷ء۔

۵۔ طاہر حسین کاظمی، ڈاکٹر، سید، معاصرین مرزا دبیر تقابلی مطالعہ، دہلی: ایرانین آرٹ پرنٹرس، ۱۹۹۹ء۔

۶۔ محمود حسن فاروقی، میر حسن اور اُن کے خاندان کے دوسرے شعرا، راولپنڈی: پنجاب اینڈ فرنیٹر بکڈ پو، س ن۔

۷۔ مسعود حسن رضوی، بحوالہ جعفر رضا، ڈاکٹر، دبستان عشق کی مرثیہ گوئی (بارِاوّل) الہ آباد: نیشنل کتاب گھر، ۱۹۷۳ء۔

☆☆☆